قرآنی معارف کی نظم وترتیب

آیۃ اللہ مصباح یزدی

تمام منحرف مکاتب فکر نے اپنے افکار و تصورات کو ایک نظم اور ایک شکل دینے کی کوشش کی ہے یعنی انھوں نے چاہا ہے کہ اپنے مطالب کی ایک بنیاد پیش کریں اور متعلقہ مختلف مسائل کو آپس میں ربط دے کر ایک منظم و ہم آہنگ مجموعہ پیش کریں۔ ہم تو صحیح جہت اور صحیح راہ رکھتے ہیں ہمیں ان کے مقابلے میں بعینہ یہی کام کرنا چاہیے یعنی ہم قرآنی معارف کو ایک منظم اور سسٹیمٹک انداز میں اس طرح پیش کریں کہ ایک محقق اور علم کا متلاشی ذہن ایک نقطہ سے شروع کرے اور اسلامی معارف کی کڑیاں کسی زنجیر کی مانند ایک دوسرے میں پروتا چلا جائے اور آخر میں قرآن واسلام نے انسان کو جس ہدف و مقصد تک پہنچانا چاہا ہے اسے حاصل کر لے۔

بنابریں ہم قرآنی معارف کی تقسیم بندی کر کے اسے ایک نظم وترتیب کے ساتھ پیش کرنے پر مجبور ہیں تاکہ ایسے نوجوانوں کے لئے جن کے پاس وقت کم ہے، اس کا سیکھنا آسان اور ممکن ہو اور اسے دیگر مکاتب فکر کے مقابلے میں بھی پیش کیا جا سکے۔

قرآنی معارف کی تقسیم بندی قرآن کی موضوعی تفسیر سے متعلق ہے یعنی آیات قرآنی کو موضوعات کے تحت الگ الگ تقسیم کیا جائے اور ان کے مفاہیم سمجھنے کی کوشش کی جائے نیز ان کے درمیان ربط کو پیش نظر رکھا جائے یہ کام اگرچہ ضروری ہے مگر اس میں کچھ دشواریاں بھی ہیں۔

قرآنی معارف کی ترتیب و تقسیم کے لئے ہمیں موضوعات سے متعلق ایک خاص نظم وترتیب کو ملحوظ نظر رکھنا چاہیے، اس کے بعد ہر موضوع سے متعلق آیتیں تلاش کرنا پھر ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دیکھنا اور ان کے بارے میں غور و فکر کرنا اور ان کے مبہم نکات کو روشن و واضح کرنے کے لئے ان ہی آیتوں میں ایک دوسرے سے مدد حاصل کرنا چاہیے۔ یہ وہی راہ ہے جو علامہ طباطبائی طاب ثراہ نے اپنی تفسیر ''المیزان'' میں دکھائی اور اپنائی ہے۔ لیکن اس بات کی طرف بھی متوجہ رہنا ضروری ہے کہ جب ہم نے ایک آیت کو اس کے مخصوص سیاق سے نکال کر الگ کر لیا اور اس کے قبل وبعد کی رعایت کئے بغیر تنہا اسی کو اپنا محور قرار دیا تو ممکن ہے آیت کے حقیقی مطلب تک ہم نہ پہنچ سکیں، دوسرے لفظوں میں قرآن میں کافی قرائن پائے جاتے ہیں اور یہ قرائن کبھی آیت سے پہلے کبھی اس

کے بعد اور کبھی تو دوسرے سوروں میں نظر آتے ہیں ان قرائن پر توجہ کئے بغیر آیتوں کے حقیقی وواقعی مطالب تک رسائی حاصل نہیں کی جاسکتی.

اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ ان حالات سے دوچار نہ ہوں اور آیتیں سب ایک دوسرے سے جدا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اپنے حقیقی مطلب سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں تو ہمیں کافی دقت نظر سے کام لینا ہوگا یعنی کسی آیت کو کسی موضوع کے تحت قرار دینے سے پہلے اس آیت کے قبل وبعد پر بھی نظر کر لینا چاہیے. اس میں کوئی ہرج کی بات نہیں ہے کہ ہم جس آیت سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں اس کا قبل وبعد کی آیتوں کے ساتھ ذکر کریں اور دونوں حصوں کو بریکٹ میں لکھ دیں تاکہ آیت سے استفادہ کرتے وقت متعلقہ "گفتگو کے قرائن" کی طرف سے غفلت کا شکار نہ ہوں.

میں اس نکتہ کی طرف ایک بار پھر متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہمیشہ آیت کے قبل وبعد میں موجود اس کے قرائن پر غور وفکر کے بعد ہی کسی آیت سے استدلال کرنا چاہیے، حتی مجھے بھی خود اس مرحلے سے دوچار ہونا پڑا ہے کہ بعض اوقات ایک آیت سے متعلق غور وفکر کے بعد اظہار نظر کر دیا اور پھر ایک مدت کے بعد متوجہ ہوا کہ اس سے قبل کی آیت میں قرینہ موجود تھا جس کی طرف اس وقت متوجہ نہیں ہو سکا تھا اگر اس کی طرف متوجہ ہو گیا ہوتا تو استدلال میں اور زیادہ استحکام پیدا ہو جاتا یا یہ کہ استدلال کا رخ کچھ اور ہوتا لہذا ہمیں اس نکتہ کی طرف سے ہرگز غفلت نہیں برتنی چاہیئے.

جب ہم قرآن کے مفاہیم ومعارف کی تقسیم بندی پر مجبور ہیں اور اس تقسیم بندی کے نتیجہ میں طبیعی طور پر آیتوں کی بھی تقسیم بندی کرنا ہے، (یعنی ہر باب کے ذیل میں چند آیتوں کا ذکر ضروری ہے) تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ آیتوں کی تقسیم بندی کس بنیاد پر اور کس نظام کے تحت انجام دیں؟

سبھی جانتے ہیں کہ قرآن کریم میں انسانی کتب میں رائج تقسیم بندی کے طریقوں کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے بہت ہی کم ایسے سورے ملیں گے، حتی ایک سطری سورے کیوں نہ ہوں، جن میں شروع سے آخر تک صرف ایک موضوع پر گفتگو کی گئی ہو زیادہ تر... حتی ایک ہی آیت میں کئی کئی مطلب سمودئے گئے ہیں اس طرح ایک ہی آیت مختلف پہلوؤں اور گوناگوں رخوں سے قابل استفادہ نظر آتی ہے. مثلاً ایک ہی آیت میں اعتقادی پہلو بھی موجود ہے اور اخلاقی بھی تاریخی پہلو بھی ہے اور تشریعی بھی وغیرہ وغیرہ چنانچہ آیات کے تجزیے میں یہ بھی ایک مشکل پیش آتی ہے البتہ اس مشکل کا حل یہ ہے کہ ایک ہی آیت کو ہم متعلقہ مختلف عناوین کے تحت تکراری طور پر ذکر کر سکتے ہیں.

آیات کی تقسیم

کسی مفہوم یا موضوع کے تحت مثلاً نماز، جہاد، یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے متعلق آیتوں کے لئے ایک جامع اور کلی عنوان تلاش کر لینا کوئی مشکل کام نہیں ہے البتہ چند عنوانات کو ربط وترتیب کے ساتھ ایک منظم شکل

دینایاایک زنجیر میں پرو دیناواقعی مشکل ہے۔ یعنی فرض کیجئے کہ ہم نے پورے قرآن کی تحقیق کی اور جو مفاہیم ہاتھ آئے انکی مثلاً (۱۰۰) سو عناوین کے تحت ہم نے تقسیم بندی کر دی اب مسئلہ یہ ہے کہ خود ان عنادین کو کس طرح مرتب کریں کہ ایک منظم نظام وجود میں آجائے؟ مثال کے طور پر قرآن کی پہلی آیت حمد باری تعالی میں ہے لہذا پہلا عنوان ''حمد خدا'' قرار دیں اسی طرح سورہ بقرہ کی ابتدائی آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے کہ قرآنی ہدایت جن کے شامل حال ہوئی ہے لہذا دوسرا عنوان ہدایت قرار پائے گا اور اسی طرح تمام عنوانات، لیکن کیا ہم اسی ترتیب سے تمام عنوانات کی تقسیم بندی کریں؟ یا خود ان عنوانات کے درمیان بھی ایک نظم و ترتیب ممکن ہے اور ان کی ابتدا کے لئے بھی ایک طبیعی و منطقی نقطہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے؟

ان عناوین کو ایک زیادہ جامع اور ہمہ گیر عنوان کے تحت درج کیا جاسکتا ہے مثلا نماز، روزہ، خمس اور زکوۃ وغیرہ کو ''عبادات'' کے عنوان سے بیع (خرید و فروخت)۔ اجارہ (کرایہ داری) اور قرض وغیرہ کو معاملات کے عنوان کے تحت درج کیا جاسکتا ہے اب ان جامع اور کلی عنوانوں کو کس طرح نظم و ترتیب دیں؟ اور ان کے درمیان کون سا رابطہ ملحوظ نظر رکھیں؟

تقسیم کے قاعدے

اس مقام پر تین قاعدے بیان کئے جاسکتے ہیں اگرچہ دیگر قواعد بھی ممکن ہیں لیکن ہم نمونہ کے طور پر یہاں قرآنی معارف کی تقسیم بندی کے جو اہم قاعدے پیش کئے جاتے ہیں بیان کر رہے ہیں تاکہ ان کے درمیان سے ایک قاعدہ اپنے لئے منتخب کر سکیں۔

پہلا قاعدہ

شاید ذہن اس تقسیم بندی سے زیادہ آشنا ہوں کہ تمام دینی مطالب تین قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں (۱) عقائد (۲) احکام (۳) اخلاق۔ علامہ طباطبائی نے تفسیر المیزان میں بھی بہت سے مقامات پر اس روش کا ذکر کیا ہے اس طرح تقسیم بندی کا ایک طریقہ تو یہ ہوا کہ تمام قرآنی معارف کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے جن میں ایک حصہ اصول عقائد یعنی توحید، نبوت، معاد، عدل اور امامت نیز ان اصول دین کے جزئیات مثلاً عالم برزخ وغیرہ کے باب میں ہو، دوسرا حصہ اخلاق کے باب میں اور تیسرا حصہ احکام کے باب میں ہو۔ ہمارے فقہا نے احکام کے باب میں یہ کام کیا بھی ہے۔ انہوں نے آیات الاحکام کے موضوع ''پر کنز العرفان'' اور زبدۃ البیان'' جیسی مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

یہ قاعدہ شاید دیکھنے میں بہت اچھا محسوس ہو اور بظاہر ہے بھی بہت خوب لیکن اس میں معمولی طور پر سہی

دشواریاں اور خرابیاں بھی نکالی جاسکتی ہیں اولا یہ کہ تمام مفاہیم قرآنی کو ان تین حصوں میں سمونا مشکل ہے. مثال کے طور پر قرآنی آیات کا خاصا اہم حصہ تاریخ انبیاء اور پیغمبروں کے واقعات پر مشتمل ہے اگرچہ ان داستانوں کے ضمن میں بھی توحیدی، تشریعی اور اخلاقی نکتے موجود ہیں لیکن پوری کی پوری داستان اس فہرست میں نہیں رکھی جاسکتی بلکہ یہ خود ایک مخصوص حصہ اور مستقل عنوان ہے جس کو اگر جملوں اور ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے تو داستان باقی نہ رہے گی اور اگر کوئی اصحاب کہف سے متعلق قرآنی نقطہ نظر معلوم کرنا چاہے تو اس کو پتہ نہ ہوگا کہ یہ واقعہ کس باب میں تلاش کرے ایک روشن و واضح باب جس کے ذیل میں بہ انسان آسانی سے تمام قرآنی داستانیں مشخص طور پر جان لے اس تقسیم کے تحت میسر نہ ہوگا.

اس میں، جزئی طور پر، ایک قابل اعتراض پہلو یہ بھی ہے کہ یہ تینوں اقسام ایک دوسرے سے کوئی واضح رابطہ و تعلق نہیں رکھتیں اور بڑی دقت کے ساتھ ہی ان میں رابطہ قائم کیا جاسکے گا. البتہ یہ اعتراضات بہت ہی جزئی حیثیت رکھتے ہیں اور اس سے بہتر و مناسب کوئی دوسری راہ نہ ہونے کی صورت میں ہم اسی قاعدہ پر عمل کر سکتے ہیں.

دوسرا قاعدہ

دوسرا قاعدہ اس بات پر مبنی ہے کہ ہم قرآن کو انسان کے لئے "ہدایت": "ھدی للناس" مانتے ہیں اور انسان چونکہ گوناگوں مادی، معنوی، فردی، اجتماعی، دنیوی و اخروی پہلوؤں کا حامل ہے لہذا قرآنی معارف کو وجود انسانی کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے تقسیم کرتے ہیں اس طرح قرآنی معارف کی تقسیم بندی کا محور خود "انسان" کو قرار دیتے ہیں.

یہ کام یقینا ممکن ہے اور اس میں کوئی بنیادی نوعیت کا قابل اعتراض پہلو بھی نظر نہیں آتا لیکن فنی کمزوریاں پہلے قاعدے سے زیادہ اس میں ہیں کیونکہ جب ہم قرآن کے دقیق مفاہیم سے آشنا ہوتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ خود انسان کو محور قرار دینا قرآن کی نظر میں بہت زیادہ قابل قبول نہیں ہے اور یہ ایک قسم کا "ہیومنسٹ" طرز فکر ہے جس میں انسان کو اصل قرار دیتے ہیں اور ہر چیز کی قدر و قیمت انسان سے ربط و تعلق کی بنیاد پر قائم کرتے ہیں! قرآن اس انداز فکر کا حامی نہیں ہے، ہم واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ تمام قرآنی مفاہیم کے تمام ابواب عقائد سے لے کر اخلاق، مواعظ، داستان، تشریع، فردی و اجتماعی احکام وغیرہ تک، سب کے سب صرف ایک محور رکھتے ہیں اور وہ خود خداوند تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے، چنانچہ قرآن جہاں کوئی قانون اور حکم بیان کرتا ہے کہتا ہے: خدا نے تم پر یہ حکم نازل فرمایا جہاں کسی اخلاقی پہلو کا ذکر کرتا ہے کہتا ہے یہ وہ خلق و عادت ہے جو خدا کو پسند ہے. چند نمونے ملاحظہ فرمائیے۔

"واللّٰہُ یُحبُّ الْمُقْسطین" (سورہ مائدہ، ۴۲)

(اللہ انصاف پسند لوگوں کو دوست رکھتا ہے)

"واللّٰہُ یُحبُّ الصّابرین" (آل عمران، ۱۴۲)

(اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)

"ان اللّٰہ لایُحبُّ الْمُفْسدین" (قصص، ۷۷)

(اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق کا محور بھی خدا کی ذات ہے، بنابریں ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآنی آیات "خدا محوریت" کی اساس پر مبنی ہیں دوسرے لفظوں میں مکتب قرآن مکتب الٰہی ہے "ہیومنزم" نہیں ہے، پس انسان کو محور کل قرار دینا ایک طرح کا انحراف ہے قرآنی معارف کا محور خدا کو قرار دینا چاہیے اور اس کی پوری طرح حفاظت کرنا چاہئیے۔

دوسرا نقص یہ ہے کہ انسانی وجود کے پہلو مبہم ہیں اور یہی مشخص نہیں ہے کہ انسان کتنے پہلوؤں کا حامل ہے کہ ہم کہہ سکیں انسانی وجود کے فلاں فلاں پہلوؤں کی ایک واضح تقسیم بندی کی بنیاد پر قرآنی آیات کی تقسیم بندی کرلی جائے۔ دوسری طرف پہلی نظر میں وجود انسان کے تمام پہلوؤں کے درمیان کوئی واضح رابطہ بھی نہیں پایا جاتا تیسری دشواری یہ ہے کہ انسانی وجود کے مختلف پہلو (اگر مشخص ہو بھی جائیں) تو ان کی بنیاد پر قرآنی معارف کی تقسیم بھی ایک لاحاصل کام ہوگا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں بعض اوقات ایک حکم الٰہی اور ایک خلق و عادت جس کو انسان کے لئے اچھا قرار دیا گیا ہے انسان کے کسی ایک مخصوص پہلو سے اس کا تعلق نہیں ہے بلکہ وجود انسانی کے بہت سے گوشے اس حکم قانون اور اخلاق سے اس طرح تعلق رکھتے ہیں کہ یہ نہیں کہا جاسکتا قرآن کا یہ بیان یقینی طور پر انسانی وجود کے فلاں پہلو سے متعلق ہے۔

تیسرا قاعدہ اور اس کی افادیت

تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ خود اللہ کو محور قرار دیں اور قرآنی معارف کی تقسیم بندی "عرض" میں نہیں بلکہ ایک دوسرے کے طول میں انجام دیں یعنی قرآنی معارف کو ایک ایسے بہتے ہوئے دریا اور آبشار کی مانند سمجھیں جس کا منبع و سرچشمہ فیض الٰہی ہے یہ جس منزل اور مرحلے میں پہنچتا ہے سیراب کردیتا ہے۔

"انزل من السّماء فسالت اودیۃ بقدرھا..." (رعد/۱۷)

"خداوند عالم آسمان سے جو پانی برساتا ہے اپنی ظرفیت کے اعتبار سے ہر وادی اس سے استفادہ کرتی اور سیراب ہوتی ہے"۔

ہمیں اسلامی معارف کو ایک بہتا ہوا چشمہ خیال کرنا چاہئیے جو ایک مرحلے سے گذر کر دوسرے مرحلہ میں وارد ہوتا ہے اور ان مراحل کی تقسیمات طولی ہیں عرضی نہیں ہیں ابتداء میں ایک مخصوص نقطہ سے یہ چشمہ ابلنا شروع ہوتا ہے جب وہ جگہ لبریز ہو جاتی ہے اس کا فیضان دوسری جگہ پہنچتا ہے اب یہ دوسری جگہ پہلی جگہ کی فرع قرار پائے گی نہ یہ کہ اسی کے برابر اور اسی کی قسیم ہو اگر چہ ایک منزل میں ان طولی تقسیمات سے بھی مختلف شاخیں پھوٹنا شروع ہو جاتی ہیں پھر بھی بنیادی طور پر اسلامی معارف کو طول مراتب کے اعتبار سے ہی ملحوظ نظر رکھنا چاہئیے، ہماری نظر میں یہ قاعدہ چند دلیلوں کے تحت قابل ترجیح ہے۔

پہلی دلیل

اس میں محور ''خدا کی ذات'' ہے اور اس کے برابر و متساوی کسی بھی چیز کو قرار نہیں دیتے:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (حدید/۳)

''وہی (خدا) اول بھی ہے اور آخر بھی ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

دوسری تقسیمات کے بر خلاف کہ جس میں یا تو ''اصل محور'' انسان کی مانند کسی دوسری شئے کو قرار دیا جاتا ہے اگر توحید و عقائد سے بھی بحث کرتے ہیں تو اسی کے برابر و متساوی اخلاق واحکام کا اعتقادات کے قسیم کے طور پر ذکر کرتے ہیں... لیکن اس تقسیم میں ابتدائی طور پر ایک کے علاوہ کوئی بھی دوسری بحث نہیں ہے اور نہ ہی اس کے متوازی کسی دوسری بحث کو رکھنے کی گنجائش ہے جب تک یہ بحث حل نہ ہو اور اس سے فارغ نہ ہو جائیں دوسرے مرحلے اور دوسری بحث تک پہنچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس پہلا امتیاز تو یہ ہے کہ یہ تقسیم بندی اللہ کو محور قرار دے کر انجام پاتی ہے۔

دوسری دلیل

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ تمام مسائل و تقسیمات کے مابین ایک منطقی ترتیب پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ جب ان مختلف بحثوں کا سلسلہ آپس میں مربوط ہو تو فطری طور پر پہلے کی بحث بعد کی بحث پر کسی نہ کسی نوعیت سے مقدم ہو گی جو واضح اور قابل فہم ہے اس کے بر خلاف دوسری تقسیمات جن میں مختلف بحثوں کو ایک دوسرے کے متوازی قرار دیتے ہیں کسی ایک کو دوسرے پر مقدم قرار دینا توجیہ اور وضاحت کا محتاج ہو گا بلکہ بعض اوقات اس میں مشکل بھی پیش آسکتی ہے۔

فرض کیجئے انسان کی فردی و اجتماعی حیثیت، اس کے وجود کے دو پہلو ہیں اب سوال یہ ہے کہ اس کے فردی پہلو کو پہلے بیان کریں یا اجتماعی پہلو کو؟ یا یہ کہ ان دونوں پہلوؤں کو مقدم سمجھیں؟ یا سرے سے کوئی دوسری تقسیم اس

کے مادی و معنوی پہلو کے پیش نظر کریں یہ خود ایک مسئلہ ہے لیکن اگر مختلف عنوانات کے درمیان ایک فطری و طبیعی ترتیب موجود ہو اور اسی فطری و منطقی ترتیب کے تحت تقسیم بندی انجام پائے تو تقدم وتاخر کے لئے ہمارے پاس ایک روشن وواضح دلیل موجود ہوگی اور اس طرح ایسا محکم و منسجم نظام وجود میں آئے گا، جس میں گذشتہ قاعدوں کی طرح اعتراض کی گنجائش نہ رہے گی۔

بنابریں بہتر ہے کہ تمام معارف قرآنی کا اصل محور "اللہ" کو قرار دیا جائے، جو قرآنی تعلیمات سے بھی مکمل طور پر ہم آہنگ ہے، سب سے پہلے خدا کی معرفت اور انسان کی معرفت سے متعلق مسائل سے ابتدا کیا جائے اس کے بعد تمام انسانی مسائل پر الٰہی تعلیم وتربیت و تدبیر و حکمت کی روشنی میں بحث ہو، اس طرح قرآنی معارف کا ایک ایسا منظم و مرتب نظام وجود میں آئے گا جس کا اصل محور بھی اصالت و حقیقت پر مبنی ہوگا اور اس کے گرد بننے والے دائروں کے درمیان بھی ایک نظم وترتیب اور رابطہ و تعلق پایا جائے گا۔

اس قاعدے اور اصول کی بنیاد پر قرآنی معارف کا ڈھانچہ اور نظام مندرجہ ذیل عناوین پر قائم ہوگا۔

۱ خدا کی معرفت

اس عنوان میں خدا کی معرفت، توحید، صفات الٰہی اور کلیات افعال باری تعالیٰ کی بحثیں شامل ہیں۔

۲ کائنات کی معرفت

اس عنوان میں کائنات (زمین، آسمانوں اور ستاروں) فضائی موجودات (رعد وبرق وبادوباراں وغیرہ) اور زمینی مخلوقات (پہاڑ اور دریا وغیرہ) نیز ضمنی طور پر عرش وکرسی فرشتہ، جن اور شیطان وغیرہ سے متعلق بحثیں شامل ہیں۔

ظاہر ہے افعال باری تعالیٰ سے متعلق کلیات کے بعد... جو پہلے حصہ میں انجام پاتے ہیں... خود افعال کی تفصیلات (خلق وتدبیر وغیرہ) کے ذکر کی نوبت آتی ہے اور طبیعی طور پر کائنات کی پیدائش کا ذکر انسان کی پیدائش پر مقدم ہے۔

۳ انسان کی معرفت

اس میں انسان کی پیدائش، روح کی خصوصیات، انسانی شرافت کے پہلو، ذمہ داریاں اور ان کے شرائط (آگاہی، قوت عمل، اختیار) انسانی وجود کے مختلف پہلو، فردی واجتماعی تدبیروں میں الٰہی سنتیں، معاد اور انسان کا آخری انجام، وغیرہ سے متعلق بحثیں شامل ہیں۔

اس مرحلے میں روشن وواضح ہو جاتا ہے کہ دنیوی زندگی اخروی زندگی کا مقدمہ ہے۔ یہ انسانی زندگی کا وہ مرحلہ ہے جس میں انسان کو خود اپنے لئے راہ سعادت کا انتخاب کرنا چاہئے اور اپنے آخری انجام کی داغ بیل ڈالنا

چاہئیے اس دنیا میں الٰہی حکمتیں انتخاب کے مقدمات (ابتلاو آزمائش وغیرہ) کی فراہمی کے محور پر گردش کرتی ہیں.

۴ راہ روش کی معرفت

اس منزل میں شناخت و معرفت کے مادی طریقوں (یعنی دنیا میں رائج علم حضوری و علم حصولی کی مختلف قسموں) اور غیر عادی طریقوں (یعنی وحی و الہام وغیرہ) سے متعلق بحثیں شامل ہیں یہاں نبوت کا مسئلہ بعثت انبیاء کی ضرورت اور مقاصد، نیز ان کے مدارج (نبوت، رسالت و امامت اور اسی طرح معجزہ و عصمت سے متعلق مسائل بیان ہوتے ہیں اور آخر میں انبیاء کی جانشینی کے مسئلے (یعنی امامت بالمعنی الاخص) پر بحث ہوتی ہے.

بحث کے اس مرحلے کا تعلق اپنے گذشتہ مرحلے سے واضح ہے کیونکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ انسان ایک ایسی مخلوق ہے جس کو انتخاب کی آزادی حاصل ہے یعنی اسے اپنی راہ کا تعین آزادانہ طور پر خود کرنا ہے راہ وروش کی معرفت کی ضرورت خود بخود پیش آتی ہے اور اس مرحلے میں یہی چیز اہم اور موضوع بحث ہے.

۵ رہبر و رہنما کی معرفت

اس منزل میں انبیاء کی تاریخ اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات، ان پر نازل ہونے والی کتابیں ان میں پیش کئے جانے والے مطالب، پیغمبر اسلامؐ کی تاریخ اور آنحضرت کے زمانہ حیات میں رونما ہونے والے حوادث و واقعات بیان کئے جاتے ہیں ضمنی طور پر تمام قرآنی داستانیں اور اقوام و ملل کی تاریخ بھی اسی کے ذیل میں ذکر کئے جاتے ہیں. اس حصہ کا اپنے گذشتہ حصہ کے ساتھ ربط اور ترتیب بیان واضح ہے کیونکہ جب وحی و نبوت کی ضرورت و اہمیت سے ہم واقف ہو گئے تو اب ان حاملان وحی ورسالت کی معرفت کی نوبت آتی ہے جو پیغام وحی عوام الناس تک پہنچاتے رہے ہیں.

٦ قرآن کی معرفت

اس میں خدا کی آخری کتاب قرآن سے متعلق اصولی مباحث، نزول کا مقصد، نزول کا انداز، اعجازی حیثیت، آفاقی و ابدی شان، اسلوب بیان (عقلی استدلال، موعظہ، جدال احسن، تمثیل و قصص وغیرہ) نیز محکم و متشابہ اور تاویل وغیرہ سے متعلق بحثیں شامل ہیں. گذشتہ بحث سے اس کا بھی ربط اور ترتیب بیان واضح ہے اس لئے کہ گذشتہ آسمانی کتابوں کے ذکر و بحث کے بعد آخری و ابدی کتاب کی شناخت و معرفت فطری سی بات ہے اسے

۷ اخلاق اور انسانی تعمیر

اس میں خود انسان کی اپنی معرفت اور اپنی تعمیر سے متعلق تمام بحثیں شامل ہیں، افعال اختیاری میں خیر و شر کا وجود اور ان کا آخری کمال و سعادت کے ساتھ ربط، قرآنی تربیت و تزکیۂ نفس کی روش (انذار و بشارت کے ذریعہ

تلاش خیر کا جذبہ بیدار کرنا وغیرہ) انسانی تعمیر میں ایمان و عمل کا کردار اور ان کا ایک دوسرے سے رابطہ نیز ان دونوں کا علم سے ارتباط اور بالآخر اخلاق فاضلہ و اخلاق رذیلہ کی تفصیلات اس بحث کا حصہ ہیں۔

قرآن کی شناخت و معرفت کے بعد "اخلاق اور انسانی تعمیر" کا ذکر اس لئے ہے کہ گذشتہ بحث میں ہم اسی نتیجہ تک پہنچتے ہیں کہ قرآن کا ہدف و مقصد تزکیہ و تعلیم ہے۔ تزکیہ، اخلاق اور انسانی تعمیر سے متعلق بحثوں کو جنم دیتا ہے اور تعلیم آئندہ مباحث کو وجود میں لاتی ہے۔

۸ قرآن کے عبادی احکام

اس میں نماز و روزہ، حج و قربانی اور ذکر و دعا سے متعلق بحثیں شامل ہیں یعنی جہاں وہ اعمال ذکر ہوتے ہیں جو بنیادی طور پر انسان اور خدا کے درمیان رابطے کو تقویت پہنچاتے ہیں وہاں اجتماعی مصلحتوں کا بھی ان میں بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔

۹ قرآن کے فردی احکام

اس میں خورد و نوش (یعنی کھانا، پینا، شکار کرنا اور ذبیحہ کرنا وغیرہ) نیز زینت و آرائش اور تزک بھڑک سے متعلق حرام و حلال بیان کئے جاتے ہیں۔

۱۰ قرآن کے اجتماعی احکام

اس میں تمام حقوقی، اجتماعی، سیاسی و اقتصادی بحثیں شامل ہیں جن کو مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

الف)..... شہری و مدنی احکام

ب)..... اقتصادی و معاشی احکام

ج)..... قانونی و عدالتی احکام

د)..... حدود و جزاء کے احکام

ہ)..... سیاسی و حکومتی احکام

و)..... عالمی و بین الاقوامی احکام

اور بحث کے اس حصے میں مقدمہ کے طور پر "معاشرہ قرآن کی نظر میں" بحث کا مرکز قرار پاتا ہے۔

اس تقسیم کے آخری تین حصوں میں انسان سے متعلق قرآن کے پیش کردہ علمی پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ایک کا تعلق انسان اور خدا، دوسرے کا تعلق انسان اور خود اس کی ذات اور تیسرے کا تعلق انسان اور معاشرے

یاانسان اور دوسرے انسانوں سے ہے اور ہر حصہ سے متعلق اس آسمانی کتاب کی تعلیمات کو جداگانہ طور پر مورد بحث قرار دیا جاتا ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنی معارف عالم ہستی کے نقطۂ آغاز سے شروع ہوتے ہیں اور خلق و تدبیر الٰہی کے مراحل بالترتیب زیر بحث آتے ہیں اور یہ سلسلہ ایک ایسے معاشرے کے خصوصیات کے ذکر پر منتہی ہوتا ہے جو انسان کی دیرینہ آرزو ہے اور ان تمام مراحل میں اپنے اصل محور "ذات خدا" سے ان کا ارتباط بھی باقی و محفوظ رہتا ہے۔

☆☆☆

رسول خداؐ نے فرمایا

بے شک یہ قرآن نمایاں روشنی ہے اور مضبوط رسی ہے اور محکم وسیلہ ہے۔ بلند مرتبہ ہے۔ مؤثر شفاء ہے۔ بڑی فضیلت ہے۔ عظیم سعادت ہے۔ جس نے اس سے روشنی چاہی اس نے اُسے منوّر کیا۔